

انسانیت، ہسپتال

садھن مسٹری ایک عام سامزد ور تھا۔ اس جیسے لوگ دنیا میں آتے ہیں، اور واپس چلے جاتے ہیں۔ نہ انکے آنے سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی جانے سے۔ ہاں، چند نزدیکی عزیز بہت تھوڑی مدت کیلئے دکھ کی کیفیت میں متلا رہتے ہیں۔ مگر زندگی پھر دوبارہ شروع ہو جاتی ہے۔ اسی رفتار سے اور اسی ڈگر پر۔ ویسے زندگی کو آج تک کوئی بھی فلسفی یا عالم مکمل طور پر سمجھ کر دوسروں کو بتا نہیں پایا، کہ زندگی دراصل ہے کیا اور اسکی ابتداء اور انتہا میں کیا کیا راز پہنچا ہیں۔ ویسے سارے روز سمجھنے سے عار کرنی چاہیے۔ کیونکہ مخفی اصول سامنے نہیں آسکتے۔ اور جو بھید کھل گیا ہو، اسکو بھی سمجھا نہیں جا سکتا۔

садھن مسٹری کی بات ہو رہی تھی۔ چاول کے کھیتوں میں کام کرتے کرتے اسے معمولی سی بیماری ہوئی۔ جسم میں پانی کم ہو گیا۔ اسکی پیوی سباشی نزدیکی ہسپتال میں لے گئی۔ دونوں کے پاس ڈاکٹروں کی فیس کیلئے کوئی پیسے نہیں تھے۔ نتیجہ وہی ہوا، جو ہوتا ہے۔ نرسوں اور ڈاکٹروں نے سادھن کا علاج نہیں کیا۔ سباشی نے انتہائی بے بسی سے ڈاکٹروں کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ انہیں بچوں کے واسطے دیے۔ مگر پیسے نہ ہونے کی بدولت علاج نہ ہو پایا۔ سادھن مسٹری انتہائی کسپرسی کے عالم میں مر گیا۔ بڑی مشکل سے خاؤند کی لغش کو اپنے کچے گھر میں لیکر آئی۔ پورے گاؤں کی مدد سے اسکی آخری رسومات ادا کیں۔ ساتھ ہی سباشی کیلئے ایک انتہائی مشکل زندگی کا آغاز ہو گیا۔ خاؤند کے مرنے کے ٹھیک ایک دن بعد گھر میں کھانا ختم ہو گیا۔ اس وقت سباشی کو احساس ہوا کہ گھر میں اسکے علاوہ چار بچے بھی ہیں، جنہیں کھانے کی ضرورت ہے۔ مگر وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ اسیلے کہ کبھی کسی بھی سکول یا کالج کا مونہ نہ دیکھا تھا۔ مکمل طور پر جاہل تھی۔ مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ اسے گھری پروقت دیکھنا بھی معلوم نہ تھا۔ غربت کے سمندر میں سباشی اور چار بچوں کے مقدار کی کشتی برائے نام رینگ رہی تھی۔ اسکے پاس اب دو ہی راستے تھے۔ یا تو اپنے آپکو بچوں سمیت مار لے۔ خود کشی بھی اسکے گاؤں بلکہ علاقے میں عام تھی۔ یہ کوئی کتہ کے نزدیک کا علاقہ تھا۔ اسکے گاؤں کا نام نہیں پکر تھا۔ وہاں کسان اور زرعی مزدور حالات کے جبر سے تنگ آ کر خود کشی کرتے رہتے تھے۔ مگر سباشی نے ایک انتہائی مشکل فیصلہ کیا۔ ایک ایسا فیصلہ جس سے اس کا مقدار تبدل ہی گیا مگر علاقے کے اندر بھی حد درجہ بہتری آگئی۔ فیصلہ تھا کہ ہر قیمت پر اپنے بچوں کو زندہ رکھے گی۔ کس لیے۔ ایک بڑے مقصد کیلئے۔ علاقے کے عام لوگوں کی سہولت کیلئے ایک مفت ہسپتال کھولنا، سباشی کا مقصد بن گیا۔ اس نے کسی سے ذکر نہ کیا کہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ اسیلے کہ ہر ایک نے مذاق اڑانا تھا کہ اسے توبذاتِ خود خیرات کی ضرورت ہے۔ بھلاوہ ایک خیراتی ہسپتال کیسے کھول سکتی ہے۔ سباشی نے کسی سے مشورہ کیے بغیر محنت کرنا شروع کر دی۔ تعلیم نہ ہونے کی بدولت کوئی اچھا کام تو نہ مل سکا۔ لہذا لوگوں کے گھروں میں برلن مانجنے شروع کر ڈالے۔ چند سال گزرنے کے بعد انگلیوں میں سوراخ بن گئے۔ مگر اس نے جس راستے کو چنان تھا اس پر یہ تکلیف بہت معمولی تھی۔ اب اس نے گاؤں کے اردو گرد مزدوری کرنا شروع کر دی۔ بھٹے پرانی ٹیکنیکیں بناتی رہی۔ دھان کی فصل لگاتی رہی۔ لوگوں کا سامان تک ڈھوتی رہی۔

سباشی کو جہاں محنت کی عادت تھی، وہاں اسے اپنے محدود وسائل میں رہ کر بچت کی عادت بھی تھی۔ اسے جو تنوہا یا پسے ملتے تھے اس میں تقریباً پچاس فیصد بچائی تھی۔ بچت کس لیے کرتی تھی، یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ سباشی نے ہر طرح کی مشقت کی۔ اس نے بڑک پر سبزی بیخنے کا کام بھی کیا۔ انتہائی مصائب کا سامنا کرتی رہی۔ مگر ہمت نہ ہاری۔ یہ کوئی ایک دوسال کی بات نہیں۔ چار دہائیوں پر محیط محنت مزدوری کی وہ عملی کہانی تھی جس میں صرف اور صرف جذبہ تھا، ہمت تھی اور فولادی عظم تھا۔ بیوہ ہوتے وقت عمر صرف تیس برس تھی۔ چالیس سال تک مسلسل بچت کرنے کے بعد چند ہزار روپے جمع ہو چکے تھے۔

1992 میں سباشی نے گاؤں کے نزدیک ایک بیگھہ زمین خریدی۔ 1993 میں اس نے ”انسانیت ٹرست“ بنائی اور اس زمین پر ایک کچا کلینک کھول لیا۔ ارگرد کے لوگوں نے اس کام میں مدد کرنی شروع کر دی۔ چند برسوں میں صورتحال حدر درجہ بہتر ہو گئی۔ سباشی نے اسی جگہ پر تین سال میں ایک ہسپتال بناؤالا۔ جس کا نام ”انسانیت ہسپتال“ تھا۔ جب عام لوگوں کے علم میں آیا اور بات پھیلی تو انہوں نے سباشی کی مزید مالی مدد کرنی شروع کر دی۔ 1996 میں ”انسانیت ہسپتال“، مغربی بنگال کے ایک گاؤں میں کام کرنا شروع ہو گیا۔ کچھ کلینک کی جگہ ایک بلڈنگ بن گئی۔ سباشی نے ڈاکٹر اور نر سیسیں رکھ لیں اور لوگوں کے علاج معالجہ کا کام شروع ہو گیا۔ مگر علاج میں خاص بات تھی۔ کسی سے کوئی پسے نہیں لیے جاتے تھے۔ پرچی کی فیس صرف دس روپے تھی اور ہے۔ آپ یعنی کی فیس بھی حدر درجہ کم رکھی گئی۔ اگر کوئی دینا چاہے تو ٹھیک ورنہ کسی کو بھی فیس نہ ہونے پر علاج سے انکا نہیں کیا جاتا تھا۔ اب مختلط لوگوں نے سباشی کا ہاتھ تھام لیا۔ انسانیت ہسپتال کی عمارت پھیل گئی اور دور دور سے لوگ علاج کروانے آنے لگے۔ مریضوں کی قطار میں لگنی شروع ہو گئیں۔ پنٹا لیس سال کی شدید ریاضت کے بعد سباشی کا خواب پورا ہو گیا۔ غریب آدمی کے مفت علاج کا خواب۔ جب مغربی بنگال کے گورنر کو معلوم ہوا کہ اس طرح کا خیراتی ہسپتال بنایا گیا ہے تو وہ دوڑتا ہوا آیا اور کسی کو بتائے بغیر ہسپتال کو دیکھ کر واپس چلا گیا۔ اس طرح یہ بات ہمارے ہمسایہ ملک کے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں پھیلتی چلی گئی۔ آج اس ہسپتال میں بارہ ڈاکٹر ہیں۔ سباشی کا ایک خواب یہ بھی تھا کہ اسکا ایک بیٹا ڈاکٹر بنے اور اس ہسپتال میں لوگوں کی خدمت کرے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اسکے ایک بیٹے نے ایم بی بی ایس کیا اور اسکے بعد زندگی مریضوں کیلئے وقف کر دی۔ سباشی نے ثابت کیا کہ انسانی عزم کے سامنے مصائب کی کوئی حیثیت نہیں۔ انسان اپنی ہمت سے ہر مشکل کو آسان بناسکتا ہے۔ آج سباشی نزدیکی شہر میں ایک اور خیراتی ہسپتال بنانے میں مصروف ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک ٹیم نے اسکے ہسپتال کو دیکھ کر اسے وسائل مہیا کرنے شروع کر دیے۔ 2018 میں خواتین کے دن یعنی آٹھ مارچ کو بالی وڈ کا ایک فلم پر وڈ یوسر سباشی کے گھر آیا اور اسکی زندگی پر فلم بنانے کا اعلان کر دیا۔ اس سال، سماجی شعبہ میں حیرت انگیز کام کرنے کی بدولت، اس بوڑھی خاتون کو ہندوستان کا سب سے بڑا سول ایوارڈ دیا گیا۔ ایوارڈ وصول کرتے وقت سباشی نے رہڑکی ہوائی چپل پہن رکھی تھی۔

سباشی کہتی ہے کہ ”علاج ہر انسان کا بنیادی حق ہے“، اسے ہر حال میں پورا ہونا چاہیے۔ اس میں کسی مذہب، رنگ، نسل یا تعصبات کا عامل دخل نہیں۔ انسان پہلے انسان ہے اور ہر قسم کے تعصبات سے اوپر کی سطح پر زندہ رہنے کا حقدار ہے۔ ہندوستان میں ایک مکمل طور پر جاہل عورت نے اپنے عامل سے ثابت کیا کہ لوگوں کی تکالیف کو کم کرنا ہی اصل زندگی ہے۔ اسکے بالکل برعکس جب میں اپنے جیسے

معاشروں کو دیکھتا ہوں تو دل ہی دل میں تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعتراض کیا جائے کہ میں نے ہمسایہ دشمن ملک سے ایک مثال کیوں دی۔ مگر یقین فرمائیے۔ اچھا اور بہتر کام کہیں بھی ہو، جو بھی کرے، اسکی تعریف نہ کرنا کم ظرفی ہے۔ اردو گرد دیکھتا ہوں تو اپنے ملک میں ”ساماجی کارکن“، آنا کی بڑی بڑی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر لوگوں میں اپنے آپ کو نمایاں کرتے نظر آتے ہیں۔ چند اصحاب تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے مختلف حکومتوں سے اربوں روپے کی گرانٹ لی اور اپنے لیے ”ساماجی کام“، کرنے کیلئے اقتصادی سلطنتیں قائم کر لیں۔ یقین فرمائیے، کہ سادگی کا درس دینے والی این جی او زکے مالکان اور کارکن بیش قیمت محلات میں رہتے ہیں۔ لینڈ کروزر سے نیچے کی گاڑی استعمال نہیں کرتے۔ آج لینڈ کروزر کی قیمت ایک سے ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ ”ساماجی کارکنوں“ کا ایک مخصوص نیٹ ورک ہے جس میں وہ میڈیا کے نمایاں بندوں کو بھی گھیرتے ہیں۔ تعریفی خبریں لگواتے ہیں۔ میرے جیسے لوگوں سے کالموں کی فرماش کرتے ہیں۔ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ سے ملکر ذاتی تعلقات رکھتے ہیں۔ پی آر میں پید طولی حاصل کر لیتے ہیں۔ اخبارات میں اپنی تصاویر لگاؤ کر اپنے کام کی اس قدر مبالغہ آراء تشویہ کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ستم یہ ہے کہ وہ کامیاب ہیں۔ ہمارے چند سماجی کارکن تو پی آر میں اتنے ماہر ہو چکے ہیں کہ وہ بین الاقوامی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ اپنا ڈھول تو خیروہ خود بجا تے ہی ہیں یا بجواتے ہیں۔ مگر بین الاقوامی سطح پر بھی مکمل پروپیگنڈے کے ذریعے اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ انکے کام پر اگر تقدیمی کی جائے یا اسکو تقدیمی نگاہ سے پر کھنے کی کوشش کی جائے تو وہ ہر طریقے سے آپکو رام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے علم میں ایسے واقعات بھی ہیں جس میں یہ لوگوں کے گھروں میں جا کر انکے ذہن اور فیصلے پر اثر انداز ہونے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ ”کایاں لوگ“، اپنی حکمتِ عملی میں کامیاب ہیں۔ انسانیت کے نام پر سب سے زیادہ صرف اپنی خدمت کرتے ہیں۔ تمام سماجی کارکنان کی بات نہیں کر رہا۔ مگر اکثریت کے متعلق جتنی کم بات کی جائے، اتنا ہی کم ہے۔ مگر ایک مکمل طور پر جاہل عورت ہمیں ایک منفرد سبق سکھا رہی ہے۔ انسانیت کی خدمت کیلئے صرف اور صرف محنت درکار ہے۔ عزم کی ضرورت ہے۔ ہمت اور سادگی کی تواریخ سے آپ ہر مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کم از کم سماشی نے تو یہی ثابت کیا ہے! میرا خیال ہے کہ ہم تمام کو یا تو انسانیت ہسپتال بنانا چاہیے یا اس میں داخل ہو جانا چاہیے!

راوی مظہر حیات